جمہوریہ پاکستان قرار دیا اور قیام پاکستان کے بارہ برس بعد ملک میں نئے انتخابات کرانے کے لئے 1959ء کا سال منتخب کیا۔

یہ تو اچھی باتیں تھیں اس عرصہ میں جو منفی باتیں ہوئیں وہ یہ تھیں۔

ہم نے پاکستان کے قیام کے بعد اس فراخدلی اور حوصلہ کا ثبوت نہیں دیا جس کے مطابق ہمیں پاکستان بن جانے کے بعد یہاں رہنے والے ہر شہری کو قائداعظمؒ کے فرمان کے مطابق مساوی درجہ کا شہری ماننے سے انکار کر دیا۔ ہم نے پاکستان بن جانے کے بعد بھی یہ بحث جاری رکھی کہ قیام پاکستان کی مخالفت کرنے والے پاکستان کے غدار اور دشمن ہیں۔ اگر ہم سب کو معاف کر کے کسی تعصب کے بغیر، آزادی کے سفر میں سب کو ہمراہ لے کر چلنے کا ارادہ کرتے جیسا کہ قائداعظمؒ نے کیا تھا تو یہ سب باصلاحیت لوگ ہمارے کندھے سے کندھا ملا کر اس نئی مملکت خداداد کو مستحکم بنانے اور یہاں ایک مضبوط جمہوری نظام قائم کرنے میں ہماری مدد کرتے۔ سید حسین شہید سہروردی اور میاں افتخار الدین جیسے بڑے لیڈروں نے جب پاکستان کی پارلیمینٹ میں اپوزیشن کا رول شروع کیا تو ہمیں انہیں خوش آمدید کہنا چاہئے تھا اور تمام امور مملکت کو ہم اپوزیشن کی تنقید کے بعد صاف ستھرا بناتے۔ تنقید کو برداشت کرنے کی روایت کا آغاز کرتے تو اس سے جمہوری نظام مضبوط ہوتا، مگر ہم نے تو قائداعظمؒ کے جانشین لیاقت علی خان کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھا اور ان کے قاتلوں کو گم ہو جانے کا موقع دے دیا۔ ہم نے اپنے پاکستانی بھائیوں کو ہی غدار اور بے ایمان کہنا شروع کر دیا۔ یہ ہماری سیاسی ناپختگی ہمارے لئے سخت تباہ کن ثابت ہوئی۔ ہماری اسمبلیاں لڑائی جھگڑے اور فساد کا گھر بن گئیں اور یہ ظاہر ہونے لگا کہ ہم لوگ جمہوریت کے اہل نہیں ہیں۔

اس دور میں ہماری دوسری سب سے بڑی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ ہم نے بہت سے ''ضرورت مند'' صاحبان کو متروکہ املاک کا کسٹوڈین بنا دیا۔ انہوں نے نہ صرف اپنی ضروریات کو سامنے رکھا بلکہ اپنے اعزہ واقربا کی ضروریات کو بھی پورا کرنے کے لئے بے شمار حق دار لوگوں کی حق تلفی کر دی اور راتوں رات امیر ہونے کے لئے یہاں سیاسی اور غیر سیاسی مالدار لوگوں کے کئی قبضہ گروپ بن گئے۔ جنہوں نے پنجاب کے علاوہ پاکستان بھر میں متروکہ املاک کی کھلے عام تجارت کی اور بے پناہ املاک کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ حق دار لوگ بے آسرا سڑکوں پر خوار ہوتے رہے اور ناجائز قابضین آج تک عیش کر رہے ہیں اور انہوں نے اس ناجائز دولت کو سیاسی حیثیت بنانے کے لئے خرچ کرنا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا

کہ پاکستان میں سیاست صرف امرا کے ہاتھوں کا کھلونا بن گئی۔غریب اوراہل لوگ مال و دولت کی فراوانی نہ ہونے کی وجہ سے سیاسی قبضہ گروپس کے دست نگر بن گئے اور یہی قبضہ گروپ سیاسی طور پر نااہل ہونے کے باوجود دولت کے زور پر سیاست میں نمایاں ہوگئے اور ملک بھر کی سیاست میں اتھل پتھل ہوگئی۔اسمبلیوں میں کرسیاں چلنے لگیں۔ارکان اسمبلی قتل ہونے لگے۔ایک اسمبلی میں ڈپٹی سپیکر کو ارکان نے ہلاک کردیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکتوبر 1958ء میں ملک بھر میں مارشل لا نافذ کردیا گیا۔

اکتوبر 1958ء کا مارشل لاءاپنی اچھائیوں کے باوجود بہت سی خامیوں کا حامل بھی تھا۔مارشل لاءسے وہ سیاسی افراتفری تو ختم ہوگئی۔لاقانونیت دم توڑ گئی، مگر مارشل لاءنے سیاسی میدان میں سے بددیانت اور بدعنوان افراد کو ہٹانے کے بجائے تمام معروف لوگوں کو ہٹا دینے کا فیصلہ کرلیا۔وہ لوگ جنہوں نے متروکہ املاک کی ناجائز تجارت کی تھی وہ تو بچ گئے مگر تحریک پاکستان کے معروف سیاسی لیڈر سب ایبڈو کی زد میں آ گئے۔وہ لوگ جو پاکستان کے وفاقی ڈھانچے اور وفاقی سیاست کو سمجھتے تھے وہ سب پس منظر میں چلے گئے۔دوسرے اور تیسرے درجہ کے سیاسی لیڈر ان لیڈروں کی جگہ ابھر کر سامنے آ گئے۔ان کی سیاسی تربیت نہ ہوئی تھی اور نہ ہی ان لوگوں کو قیام پاکستان کے اغراض ومقاصد سے کوئی سروکار تھا یہ لوگ تو پاکستان بن جانے کے بعد ہوش سنبھالنے والے لوگ تھے۔کوئی بنگالی، کوئی پنجابی، کوئی سندھی اور پٹھان اور کوئی بلوچ۔ان میں کوئی پاکستانی نہ تھا۔ایوب خان نے جب بنیادی جمہوریتوں کا نظام نافذ کیا تو ابتدا میں یہ ایک بلدیاتی نظام تھا جس کا مقصد پورے ملک میں بلدیاتی نظام کو مضبوط بنانا تھا مگر فیلڈ مارشل ایوب خان نے اس بلدیاتی ادارہ کو انتخابی ادارہ بھی بنا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام سیاسی سرگرمیوں سے بالکل جدا ہوگئے اور ہمارے ملک کی سیاست صرف چالیس ہزار بی ڈی ممبروں کے سر پر چلنے لگی۔آہستہ آہستہ ان لوگوں کی مفاد پرستی نے انہیں ایک علیحدہ طبقہ بنا دیا اور یہ طبقہ اسلام کی نفرت کا نشان بن گیا، دوسری طرف علاقائی، لسانی جماعتوں اور ان کے لیڈروں کی اکثریت ہوگئی۔پاکستان میں قومی سیاست کے بجائے علاقائی اور انفرادی سیاست کے درمیان جھڑپیں شروع ہوگئیں اور بالآخر پاکستان کی قومی سیاست پر علاقائی اور لسانی سیاست غالب آ گئی۔

قومی سیاست اور علاقائی سیاست میں فرق کیا ہے؟

جب کسی ملک میں متوازن سیاسی لیڈرشپ کام کرتی ہے تو اس کی جڑیں گلی محلوں اور دیہات میں پیوست ہوتی

ہیں اور متوازن سیاسی قیادت کا کام پورے ملک ایک ہی طرح ابھرتا ہے۔ ملک کے ہر وفاقی یونٹ میں یہ متحرک نظر آتی ہے۔ ہر گاؤں، قصبے، تحصیل اور ضلع میں ترقیاتی کام ایک ہی رفتار سے ہونا شروع ہوتے ہیں۔ عوام کو روزگار ملتا ہے، صنعتوں کا آغاز ہوتا ہے تو ملک کے ہر حصہ میں ان کا اثر پڑتا ہے۔ منصوبہ بندی کی جاتی ہے جس علاقہ میں گنا ہوتا ہے وہاں شوگر ملیں لگتی ہیں۔ جہاں کپاس زیادہ ہوتی ہے وہاں کاٹن جیننگ اور ٹیکسٹائل انڈسٹری لگتی ہے۔ جہاں چاول زیادہ ہوتے ہیں وہ رائس ملز لگتی ہیں اور جہاں گندم زیادہ ہوتی ہے وہاں فلور ملیں لگائی جاتی ہیں۔ معدنیات والے علاقوں میں معدنیات کا کام شروع ہوتا ہے جہاں تیل کی امید ہوتی ہے وہاں تیل کی تلاش کا کام جاری ہوتا ہے۔ زرعی علاقوں میں نہروں کے نظام کو بہتر بنایا جائے، نئے ڈیم بنائے جاتے ہیں۔ ملکی صنعت کو ترقی دینے کے لئے نئے بجلی گھر بنتے ہیں۔ قومی وسائل کو ترقی دینے کے لئے پس ماندہ علاقوں میں صنعتیں لگائی جاتی ہیں۔ اس طرح قومی معیشت اور ترقیاتی کام پورے ملک کے عوام میں پھیلا کر اس طرح کیا جاتا ہے کہ ملک کے ہر حصے کے عوام اپنے آپ کو اس کام میں شریک خیال کرتے ہیں۔

ملک میں جب بھی سڑکیں بنائی جاتی ہیں تو اس میں ملک کی صنعتی و معاشی خوشحالی اور سہولت کو دیکھا جاتا ہے۔ ہر سڑک کا بنیادی مقصد کھیت سے منڈی تک بہترین ذرائع آمدورفت مقصد ہوتا ہے اور باقی مقاصد اس کے تابع کر دیئے جاتے ہیں۔ جہاں زیادہ لوگ رہتے ہیں وہاں زیادہ ترقیاتی کام ہوگا۔ یہی شہری سہولت کا بنیادی اصول ہے۔ جہاں ریل گاڑی کی سہولت موجود ہے وہاں اس نظام کو زیادہ ترقی یافتہ اور جدید بنایا جائے کہ ریل گاڑی، انسانی آمدورفت کے علاوہ پیداوار اور تجارتی مقاصد کے لئے بھی سب سے زیادہ مفید اور کم خرچ ذریعہ ہے، جہاں ریل گاڑی موجود نہیں وہاں سڑکوں کو بہتر اور کھلا بنایا جاتا ہے اور جہاں ریل گاڑی کا نظام موجود ہو وہاں ذرائع نقل و حمل میں ریلوے کے نظام کو فوقیت دی جاتی ہے اور ریلوے جہاں نہ ہو وہ دیگر ذرائع نقل و حمل کو زیادہ مستعد کیا جاتا ہے۔ حکومت کا مقصد عوام کو روزگار، رہائش اور معاشرتی تحفظ فراہم کرنا اور ہر شہری کو آزادانہ و منصفانہ انصاف کا نظام مہیا کرنا ہے اور سب سے زیادہ اولین فریضہ کسی بھی حکومت کا یہ ہے کہ اپنے ملک کے عوام کو خواہ وہ کیسے ہی دور افتادہ مقام پر رہتے ہوں۔ تعلیم کی سہولت سے بہرہ ور کیا جائے۔ ہر گاؤں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ علیحدہ سکول بنائے جائیں اور ان میں مقامی رہنے والے سکول ٹیچرز مقرر کئے جائیں۔ مقامی بلدیاتی ادارے اور ان کے عہدیداران سکولوں کی نگرانی کریں۔ کسی ایک فرد کے بجائے یہاں بلدیاتی

ارکان جو خود بھی تعلیم یافتہ ہوں کی بلدیاتی تعلیمی کمیٹیاں ہوں جو طلباء کے نتائج پر ہی نظر رکھیں اور ٹیچرز کے تعلیمی کام پر بھی نظر رکھیں۔ سکولوں کی مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سفارشات بھی کریں۔ میٹرک تک تعلیم بلا معاوضہ ہو۔ غریب طلباء کو کتابیں بھی فراہم کی جائیں اور میٹرک کے بعد طلباء کو فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم بھی دی جائے اور ایسے فنون کا ماہر بنایا جائے جس کی سال در سال کی ٹریننگ کے بعد یہ طلباء اپنا روزگار کمانے کے قابل ہوں جو لڑکے اور لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہیں انہیں اس کے لئے سہولتیں فراہم کی جائیں۔ ہر آٹھ دس میل کے بعد کالج موجود ہو۔

حکومت کو تعلیم کے شعبہ اور رہائشی مکانات کے سلسلے میں صنعتکار بے حد مدد فراہم کر سکتے ہیں کہ صنعتی علاقوں میں ملوں، فیکٹریوں اور کارخانوں کے ساتھ عملہ کی رہائشی کالونیاں قائم کی جائیں جہاں سکولوں اور کالجوں کی عمارات مقامی لوگوں اور صنعت کاروں کی مدد سے بنائی جائیں اور تعلیمی عملہ حکومت فراہم کرے۔ ٹیچرز مقرر کرتے ہوئے اس بات کو ترجیح دی جائے کہ ٹیچرز خصوصاً خاتون ٹیچرز، مقامی آبادی سے ہی بھرتی کی جائیں تاکہ خواتین کو دور دراز سے نہ آنا پڑے۔

حکومت کو زرعی شعبہ میں انقلابی خطوط پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ دیہات میں زرعی ٹاسک فورس قائم کی جائے۔ یہ لوگ نہروں کی صفائی کریں۔ نہروں کو اور اس سے متعلقہ پانی کے نالوں کو پکا کریں۔ مقامی زمیندار محکمہ زراعت و آبپاشی اور محکمہ مال ان لوگوں کو روزانہ اجرت کی بنیادوں پر معاوضہ ادا کرے۔ ہر پانچ دس دیہات کی زرعی ٹاسک فورس، مقامی بلدیاتی اداروں محکمہ زراعت و آبپاشی اور محکمہ مال کے کارندے ان کی نگرانی کریں اور ان سے مل جل کر کام لیں۔ اس طرح دیہات میں جو نوجوان اور کھیت مزدور سال کا کچھ حصہ بے کار رہتے ہیں انہیں جز وقتی کام بھی مل جائے گا اور دیہات میں آبپاشی کا نظام بھی بہتر ہو جائے گا جس سے پیداوار پر بہتر اثر پڑے گا۔ پاکستان میں ایک ہی زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں قائم ہے۔ پاکستان کے ہر ڈویژن میں ایک زرعی کالج اور زرعی اجناس کے لئے تحقیقاتی ادارہ ہونا چاہیئے جو علاقے کی ضرورت کے مطابق اس علاقہ میں جو بھی فصلیں، سبزیاں اور اجناس پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے بہترین بیج پیدا کریں۔ ہر ڈویژن میں پھل کے باغات ہوں۔ جنگلات ہوں، نہروں اور آبپاشی کے نالوں پر درخت لگائے جائیں۔ بلدیاتی ادارے ہر سطح پر ان انتظامات میں شریک ہوں اور ڈویژن کی سطح تک زرعی ٹاسک فورس کو منظم کریں۔

پاکستان کی آبادی میں ہر سال بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس اضافہ کی رفتار کو کم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں روزگار کے مواقع زیادہ کئے جائیں۔ تعلیم کو فروغ دیا جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پاکستان میں غیر منظم

انداز میں شہروں اور آبادیوں کو بڑھایا جارہا ہے۔ مثلاً لاہور شہر کئی سو مربع میل میں پھیل گیا ہے۔ کراچی شہر اور دیگر کسی بھی شہر کو لے لیں۔ لوگ زرعی زمینوں کو مہنگے داموں آبادیوں کے لئے بیچ رہے ہیں۔ یہ ایک غلط رجحان ہے۔ آبادیوں کو پھیلنا نہیں چاہئے اب ان کا رخ افقی جانب بڑھنا چاہئے۔ پاکستان میں زرعی زمینوں کے تحفظ کے لئے قانون بنایا جائے کہ زرعی اراضی کو صرف زرعی مقاصد کے لئے زراعت پیشہ لوگ ہی خرید سکتے ہیں۔ زرعی زمین کو رہائشی مقاصد کے لئے استعمال کرنے پر پابندی عائد کی جائے نیز پرانی آبادیوں کو مسمار کر کے ان کی جگہ ملٹی سٹوری عمارات بنائی جائیں اور پورے پاکستان میں رہائش کے لئے فلیٹ سسٹم متعارف کرایا جائے۔ شہروں میں آٹھ منزلہ اور دیہات میں چھ منزلہ عمارات تعمیر کی جائیں۔ اس کے لئے مقامی طور پر کواپریٹو سوسائٹیوں کا نظام متعارف کرایا جائے۔ کواپریٹو سوسائٹیاں بڑے بڑے پلازے اور رہائشی فلیٹ سسٹم تعمیر کریں۔ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت اس میں شرکت کریں۔ حکومت بتدریج چھوٹے مکانات کی حوصلہ شکنی کرے۔ ہاؤسنگ کا محکمہ کواپریٹو سوسائٹیوں کو قرضے فراہم کرے جوان سے رہائشی فلیٹ سسٹم کے تحت آٹھ آٹھ منزلہ عمارات تعمیر کرے۔ حکومت سرکاری رہائشی کالونیوں کو بھی باقاعدہ فلیٹ سسٹم میں بدل دے اس سے شہروں میں رہائشی گنجائش بھی بڑے گی اور بے مکان سرکاری ملازمین کو پرائیویٹ مکانات لینے کے بجائے سرکاری کرایہ پر مکانات مل سکیں گے۔ اس سے شہروں میں کرایوں کے نرخوں میں بھی کمی واقع ہوگی۔ نیز کواپریٹو سسٹم کے تحت لوگ آسان شرائط پر رہائشی فلیٹ بھی حاصل کر سکیں گے۔ یہ کوئی نیا نظام نہیں دنیا کے ہر ترقی پذیر اور ترقی یافتہ میں یہ نظام کام کر رہے ہیں۔ ان سے معلومات لے کر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اس طرح حکومت کی تحویل میں بینک ہیں۔ حکومت ان بینکوں کو افراد کے پاس فروخت کرنے کے بجائے انہیں کثیر المقاصد مالی اداروں میں تبدیل کر دیا جائے اور جس علاقہ میں یہ بینک واقع ہیں وہاں کے بلدیاتی وکواپریٹو ادارے ان بینکوں کے ذریعہ مقامی سوسائٹیوں اور افراد کو قرضے دیئے جائیں۔

الغرض مثالی حکومت کے لئے بے پناہ تجاویز ہیں۔ حکومت اگر ان پر عمل کرنا شروع کرے تو دنیا کے بہت سے ممالک اس سلسلہ میں حکومت کی مدد بھی کریں گے اور بہتر تجاویز اور عملی سکیمیں بھی پیش کریں گے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی حکومت ان پر خلوص دل سے عمل کرے۔

ہم سابقہ صفحات میں قائداعظمؒ کے بعد ملک کے جمہوری نظام، ایوب خان کے مارشل لاء اور بنیادی

جمہوریتوں کے نظام اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجوہات پر تفصیلی بات چیت کر چکے ہیں۔ جمہوریت اور سوشلزم کے نام پر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر بھی بات ہو چکی ہے البتہ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت پر بات کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ ہمارے موجودہ نظام میں بہت سی خرابیوں کا تعلق اس دور سے ہے۔

جنرل ضیاء الحق کا اسلام کے نام پر مارشل لاء

جنرل ضیاء الحق کے بارے میں مستقبل کا مورخ یہ فیصلہ کرے گا کہ وہ کس نیت سے حکمران بنے تھے اور انہوں نے اپنے مقاصد کس حد تک حاصل کئے۔

5 جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق نے اس اعلان کے ساتھ مارشل لاء نافذ کیا تھا کہ وہ ملک میں 90 روز کے اندر اندر انتخابات کرا کر جمہوری نظام بحال کر دیں گے۔ مگر نوے روز کیا وہ بارہ برس تک ملک کے سیاہ وسفید کے مالک بنے رہے۔ اس دوران انہوں نے احتساب کا اعلان کیا کہ تمام بدعنوان لوگوں کا محاسبہ کریں گے مگر نہ تو انہوں نے انتخابات کرائے اور نہ ہی کسی کا احتساب کیا۔ البتہ انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو نواب محمد احمد خان کے قتل کے الزام میں پھانسی کی سزا ضرور دے دی یہ مقدمہ اور اس کے سارے ثبوت مشکوک تھے۔ پاکستان کے اندر اور پاکستان کے باہر تمام عدالتی اور قانونی حلقے اس بات پر متفق ہیں کہ قانون اور عدالت کے نام کو غلط طور پر استعمال کیا گیا اور بھٹو کو ایک ایسے قتل کے الزام میں پھانسی دے دی گئی جس میں وہ ملوث ہی نہ تھے، اس سلسلہ میں سری لنکا کی سپریم کورٹ کے ایک جج مسٹر جسٹس راجہ رتنم نے "عدلیہ کے بحران" نامی کتاب میں اس مقدمہ کا تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے اس مقدمہ اور اس کے فیصلہ کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔ بھٹو کو 4 اپریل 1979ء میں پھانسی دے دی گئی۔ جس کے جواب میں ملک کے اندر سخت سیاسی محاذ آرائی ہوگئی۔ پیپلز پارٹی اور اس کے حامی حلقوں نے ایک مستقل سیاسی گروپ کی صورت اختیار کر لی اور اس کے مقابلہ میں جنرل ضیاء الحق نے اینٹی بھٹو، اینٹی سوشلزم، اسلامی فورسز کو ایک محاذ پر اکٹھا کر لیا۔ یہ ساری پریکٹس سیاست کے تالاب کو گندہ کیا نہایت غلیظ کرنے کے مترادف تھی کہ ملک میں لوگ اچھے کام کرنے اور برے کام کرنے والوں کے دو گروہوں کے بجائے ایسے گروہوں میں تقسیم ہوگئے جو ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔

یہ سیاسی ماحول جنرل ضیاء الحق کے لئے بہت ہی مناسب تھا کہ انہوں نے ملک میں اسلامی اصلاحات کے نام پر کام شروع کر دیا۔ اسلامی نظام حکومت کا کوئی ادنیٰ سا حامی بھی یہ جانتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے اسلامی تعلیمات

اوران پر عمل کی تلقین کی گئی ہے اس کے بعد اسلامی ماحول اور معاشرہ تخلیق کیا گیا اور جب اسلامی نظام کے برکات و فیوض عام آدمی تک پہنچ گئے تو ہر اسلامی تعزیراتی نظام نافذ کیا گیلا۔ مگر جنرل ضیاء الحق نے سب سے پہلے اسلامی تعزیراتی نظام پر شرعی عدالتیں قائم کیں۔ انہوں نے بینکوں کے ذریعے جبری زکوٰۃ فنڈ کو اپنے قبضہ میں کر کے اسے مولویوں کی زکوٰۃ کمیٹیاں، عشر کمیٹیاں اور صلوٰۃ کمیٹیاں بنا کر تقسیم کرنا شروع کر دیا اس سے جنرل ضیاء الحق کے ساتھ مولویوں اور اسلام کا نام لینے اور عوام میں جذباتی تقریریں کرنے والوں کا ایک پیشہ ور ہجوم جمع ہو گیا۔ جنرل ضیاء الحق اس ہجوم کو اپنی سیاسی حمایت اور بھٹو کی سیاسی مخالفت کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے میاں طفیل محمد صاحب کی سربراہی میں جماعت اسلامی پر بھی خاصہ کام کیا اور جماعت اسلامی اسلام کے نفاذ کے نام پر مسلسل جنرل ضیاء الحق کی حمایت میں دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ لڑائی مار کٹائی کا کام کرتی رہی۔ اس دوران افغانستان میں یکے بعد دیگرے انقلابات برپا ہونے شروع ہوئے۔ سب سے پہلے نور محمد ترہ کئی کمیونسٹ انقلاب کے سربراہ تھے اس کے بعد ان کے ہی ایک ساتھی حفیظ اللہ امین۔ دوسرے انقلاب کے داعی بنے اور انہوں نے نور محمد ترہ کئی اور ان کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا۔ حفیظ اللہ کو ببرک کارمل کے انقلاب نے ہٹا دیا۔ ببرک کارمل نے اپنی مدد کے لئے سوویت یونین سے امداد طلب کی اور روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں تو افغانستان سے لاکھوں افغان مہاجرین پاکستان آ گئے اور افغان مجاہد گروپ بن گئے جنہوں نے روسی فوجوں کے خلاف زبردست جدوجہد کا آغاز کر دیا اور جنرل ضیاء الحق اسلام کے نام پر اس جہاد میں شریک ہو گئے اور امریکی حکومت نے افغان مجاہدین کو امداد دینے کے لئے اپنے اسلحہ خانوں کے منہ کھول دیئے۔ جنرل ضیاء الحق بہترین منظّم تھے انہوں نے تمام افغان مجاہد گروپ کو منظّم کر کے انہیں پاکستان کے پاس اس طرح پناہ دی اور امریکی حکومت کو یہ تاثر دیا کہ یہ سب گروپ ان کے اشارہ ابرو پر کام کریں گے اور اس طرح پوری امریکی امداد اور اسلحہ جنرل ضیاء الحق کے ذریعہ افغان مجاہد گروپس میں تقسیم ہونے لگی۔ اس کے جواب میں افغان مجاہد گروپس نے پاکستان میں ڈیرے ڈال دیئے اور پاکستان کے عوام کو کلاشنکوف اور ہیروئن کے کلچر سے آشنا کر دیا۔ پاکستان بھر میں ہیروئن اور چرس کی منشیاتی تجارت پھیل گئی اور ناجائز اسلحہ کی بھرمار ہو گئی۔ روسی فوجوں سے لڑنے کے لئے جو اسلحہ افغانوں کو دیا جا رہا تھا وہ پاکستان میں جرائم پیشہ افراد نے افغانوں سے سستے داموں خریدنا شروع کر دیا۔ اس طرح پاکستان میں مسلح دہشت گردی کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔

جنرل ضیاءالحق کا یقیناً یہ مقصد نہیں ہوگا۔ وہ پاکستان کے عوام پر آنے والی اس آفت سے آگاہ نہیں ہوں گے مگر جب یہ کام چل نکلا تو ان کے پاس اس کا کوئی علاج نہ تھا۔ انہوں نے افغانستان کے جہاد کے لئے ساری دنیا کو خصوصاً اور اسلامی دنیا کو عموماً جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ساری دنیا سے افغانوں کی مدد کے لئے نقد سامان، اہم ضروریات اور اسلحہ کی صورت میں امداد کرنے لگی۔ کتنی کہاں گئی اور باقی کہاں گئی اس کا کوئی حساب نہ تھا۔

جنرل ضیاءالحق، شاید پاکستان میں اسلامی اصلاحات کامل کامیابی سے نافذ کردیتے مگر ناجائز اسلحہ اور منشیات کے طوفان نے پاکستان میں ایک نیا طبقہ پیدا کردیا تھا جو اسلحہ اور منشیات کی تجارت کے بل بوتے پر ارب پتی ہوگیا اور یہ لوگ عملاً سب ناجائز کام کرتے تھے لیکن نام اسلام کا لیتے اس سے پاکستان میں اسلام سے مخلص لوگ پریشان اور ایک عظیم مشکل کا شکار تھے جو نہ تو اسلام کی مخالفت کرنے کو برداشت کرسکتے اور نہ ہی اسلام کے نام پر جو صورت ان کے سامنے تھی اس کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ جنرل ضیاءالحق کے قریبی حلقے اس بات کے راوی ہیں کہ جنرل ضیاءالحق ناجائز اسلحہ اور منشیات کے اس طوفان سے پریشان تھے مگر اسے روکنا ان کے بس میں نہ تھا جس قدر وہ اسے روک سکتے تھے اس کے لئے وہ مسلسل کوشاں رہے مگر ان کے نزدیک ایک اور منزل تھی وہ یہ کہ ان کے خیال میں روسی فوجوں کے جانے کے بعد افغانستان میں انتظامی خلا پیدا ہو جائے گا اور انہوں نے افغان مجاہد گروپس سے یہ سیاسی رضامندی حاصل کرلی تھی کہ افغانستان آزادی کے بعد پاکستان کے ساتھ ایک ڈھیلی ڈھالی کنفیڈریشن بنالے گا اور یہ بھی امکان تھا کہ افغانستان کے پشتو بولنے والے قبائل پاکستان کے ساتھ مستقل وابستگی اختیار کرلیں۔ اس طرح پاکستان کو ایک سرحدی تحفظ اور گہرائی مل جاتی اور سنٹرل ایشیا کی ریاستوں کے ساتھ پاکستان کا راستہ کھل جائے گا جو کہ تجارتی نکتہ نظر سے بہت ہی ضروری تھا۔

جنرل ضیاءالحق نے افغانستان کے نام پر اس علاقہ میں جو کچھ بھی ہوا اس میں انہوں نے جو سوچا تھا وہ بہت مثبت تھا لیکن بدقسمتی سے جو ہوا وہ بہت ہی منفی تھا لیکن اس میں اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ اگر وہ ایک سازش کے تحت موت کے گھاٹ نہ اتار دیئے جاتے تو شاید اس خطہ کی تاریخ ہی مختلف ہوتی کیونکہ افغان اسلامی جہادی گروپوں پر جتنی گرفت ان کی تھی۔ خود افغانوں کی بھی نہیں تھی۔ وہ اگر زندہ رہتے تو شاید پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل تاریک ہی رہتا لیکن پاکستان کا مستقبل روشن ہو جاتا اور اس کی ترقی واستحکام کے کئی دروازے کھل جاتے۔

جنرل ضیاءالحق نے اپنے دور حکومت میں اسلامائزیشن کا جو بھی عمل کیا وہ عارضی ثابت ہوا۔ وہ ملک میں اسلامی

نظام کا کوئی حصہ بھی نافذ نہ کر سکے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج لوگ ذوالفقار علی بھٹو کو سوشلزم کا نام اور جنرل ضیاء الحق کو اسلام کا نام استعمال کر کے ذاتی مفادات حاصل کرنے اور اپنی حکومت کو طول دینے کا ذریعہ بنانے کا الزام عائد کرتے ہیں اور جنرل ضیاء الحق کے عہد حکومت پاکستانی قومیت کا تشخص کمزور ہوا اور علاقائی و لسانی تعصّبات شدید ہوئے جو اب تک بڑے خوفناک صورت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

جنرل ضیاالحق نتائج کی روشنی میں

ہم جنرل ضیاء الحق کی ذات کی بجائے ان کے ان افعال کے ناقد ہیں جن کی وجہ سے پاکستان آج تک بے شمار مشکلات کا شکار ہے۔ ان میں سب سے بڑی مشکل مذہب کے نام پر دہشت گردی ہے۔ جنرل صاحب اپنی زندگی میں اسلام کے تمام نام لیواؤں کو جمع کر کے جلسے کرتے اور مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے، مگر اس کا نتیجہ وہ نہیں نکلا بلکہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی سختی زیادہ ہوگئی اور اس میں رواداری اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی قوت آہستہ آہستہ ختم ہوگئی اور جنرل ضیاالحق کے دور حکومت میں ہی پہلی دفعہ مسجدوں، امام بارگاہوں اور مذہبی جلسوں جلوسوں میں دہشت گردی کے خوفناک واقعات ہونے شروع ہوگئے جس میں ہزاروں افراد ہلاک ہوگئے۔ ان میں ہر مسلک کے لوگ بڑے بڑے علماء کرام اور عام شہری بھی۔ سیاسی اور سماجی لیڈر، سوشل ورکر، امام مسجد اور ان کے مقتدی بھی۔ گلی محلوں میں آتے جاتے عورتیں، بچے اور عام لوگ بھی شامل ہیں۔

جنرل محمد ضیاالحق کے زمانہ اقتدار میں پیپلز پارٹی کو محدود کرنے کے لئے جنرل مرحوم نے بہت فراخدلی سے سندھ کی ایک لسانی جماعت اور جی ایم سید کی جئے سندھ تحریک کو بے پناہ مالی امداد اور سرکاری سرپرستی سے نوازا۔ جنرل ضیاالحق اپنی بے پناہ سیاسی ذہانت کے باوجود بنیادی طور پر ایک غیر سیاسی شخصیت تھے۔ ان علاقائی، لسانی اور علیحدگی پسند تحریکوں سے میل ملاپ اور ان کی مدد کرنے سے غالباً جنرل ضیاالحق کا مقصد ہوگا کہ وہ انہیں محبّ وطن پاکستانی بنا کر پاکستانی سیاست میں متحرک کر سکیں اور یہ عناصر اپنے اپنے دائرہ الگ میں سے پیپلز پارٹی کے اثر ورسوخ کو ختم کر دیں مگر معاملہ اس کے برعکس ہوا ان علاقائی اور لسانی علیحدگی پسند تنظیموں کے مقاصد جنرل صاحب کے مقاصد سے جدا تھے، ان علاقوں میں پیپلز پارٹی تو کمزور ہوگئی مگر اس کی جگہ پاکستان مخالف عناصر نے لے لی۔ غیر سیاسی اور قومی مقاصد کو نہ سمجھنے

والے لیڈروں کے اقدامات اکثر اس طرح مملکت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس لئے حکمرانوں کو اپنی پسند ناپسند کے اقدامات کرنے سے قبل ان کے نتائج وعواقب پر بڑی اچھی طرح غور کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں امریکہ کے نظام حکومت میں بڑی دلکش بات ہے کہ امریکی صدر یا ان کی کابینہ کی طرف سے جب کوئی بھی کام کیا جانا ہو تو اسے صدر کے ذاتی سٹاف کی تین کمیٹیوں کے پاس بھیجا جاتا ہے جن میں سے کوئی پچیس تیس دانشوروں، یونیورسٹی کے پروفیسروں اور عالمی سیاست پر گہری نظر رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک کمیٹی صرف اس مقصد کے لئے ہے کہ وہ یہ غور کریں کہ اگر مجوزہ تجویز پر عمل کر دیا جائے تو اس کے نقصانات اور منفی نتائج کیا ہوں گے۔ امریکہ کے لئے جس خطہ کے لئے تجویز ہے اس کے لئے اور امریکہ کے دیگر دوستوں کے لئے اور یہ کمیٹی اس تجویز کے ہر پہلو کو چھان پھٹک کر اس کے تمام منفی نتائج کو لکھ کر صدر کو پیش کر دیتے ہیں اور پھر صدر ان منفی نتائج کو غیر موثر بنانے کے لئے کیا کرتے ہیں یا اس تجویز کو ختم کر دیتے ہیں۔ وہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے لیکن وہ لوگ جو آج پوری دنیا کی حکمرانی کا سوچ رہے ہیں وہ اپنے معاملات کو طے کرتے ہوئے اتنی سوچ بچار کرتے ہیں اور ہم لوگ کیا کرتے ہیں؟ پہلے اقدام کر لیتے ہیں اور بعد میں اس کے نتائج کو نہ صرف سوچتے بلکہ بھگتتے ہیں۔

اسلام نے ہمیں تعلیم ہی یہ دی ہے کہ ہم پہلے تولیں اور پھر بولیں۔ تولنے سے مراد یہی ہے کہ جو کچھ بولنا ہے پہلے اس کے نتائج وعواقب پر غور کریں اور خوب دیکھ بھال کر بات کریں کہ بعد میں یہی بات آپ کو بھگتنی ہوگی۔ جنرل ضیاالحق کے زمانہ میں بہت سے اقدامات ایسے کئے گئے جنہیں بعد میں واپس لینا پڑا۔ مثلاً جنرل صاحب نے غیر سیاسی انتخابات کرائے مگر اسمبلی میں انہیں مسلم لیگ قائم کرنا پڑی اور پھر بعد میں اپنی اسی حکومت کو بدعنوانی، رشوت اور غیر اخلاقی الزامات کی بنیاد پر برطرف کرنا پڑا۔ جنرل ضیاالحق کی ناگہانی موت کا پاکستان کے حالات پر بہت برا اثر پڑا کیونکہ انھوں نے بہت سے ایسے پروگرام بنا رکھے تھے جن کا مکمل سکرپٹ ان کے ہی پاس تھا ان کے نہ رہنے کی صورت میں کوئی اس پر عملدر آمد کے لئے موجود نہ تھا اس میں خاص طور پر افغانستان کے متعلق بہت سے معاملات تھے جنہیں وہ اپنے دو چار فوجی ساتھیوں کے ساتھ مل کر طے کرتے تھے اور یہ فوجی ساتھی ان کے ساتھ ہی لقمہ اجل بن گئے۔ شاید اس وجہ سے افغانستان کا مسئلہ آج بھی تشنۂ تکمیل ہے۔

جنرل ضیاالحق نے ہی پاکستان میں ایک اینٹی بھٹو فورس تیار کی تھی حالانکہ بھٹو کو وہ پھانسی لگا چکے تھے۔ بھٹو کے

بعد پی پی میں کوئی لیڈر اس سطح کا نہیں تھا کہ وہ بھٹو کی کمی پوری کرسکتا مگر جنرل ضیاالحق کے ان اقدامات کی وجہ سے پاکستان آج بھی سیاسی طور پر بھٹو کے حامی اور مخالف کیمپوں میں تقسیم ہے اس سیاسی محاذ آرائی کی وجہ سے پاکستان کی سیاست گزشتہ پندرہ برسوں سے افسوسناک حالات کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں کوئی بھی سیاسی حکومت کامیاب نہیں ہوئی۔ سیاسی رہنما جوکہ سیاسی طور پر بالکل ناپختہ ہیں ایک دوسرے پر ایسے الزامات عائد کرتے ہیں کہ ایسی باتوں کے بعد لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور پھر جنرل ضیاالحق کے تربیت یافتہ سیاستدان جمہوریت کے باوجود ایسے اقدامات کرتے ہیں جو کوئی شخص آمریت میں بھی نہیں کرتا بلکہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم اپنی زندگی میں ہر کام اسلام کے نام پر اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خوشنودی کے نام پر کرتے رہے مگر ان کا ایک کام بھی ایسا نہیں تھا جو انہوں نے اسلام کے ساتھ مکمل خلوص اور محبت کے ساتھ کیا ہو۔ وہ اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کرتے رہے جس سے ان کا اقتدار اور طویل ہوسکتا ہو۔ البتہ ایک کام جو جنرل ضیاء الحق کی تمام خودغرضیوں کو معاف کر دینے کے قابل ہے وہ ہے ان کا ایٹمی پروگرام کے ساتھ خلوص۔ انہوں نے پوری رازداری اور خلوص کے ساتھ ایٹمی پروگرام جو کہ ذوالفقار علی بھٹو کا خواب تھا کو تکمیل تک پہنچایا۔

جنرل ضیاء الحق نے ایک سفارتی ماہر کی حیثیت سے بھارت کے ساتھ بہت اچھے تعلقات بنائے وہ در پردہ کشمیر کے محاذ پر بھی کام کرتے رہے مگر بھارت کے لیڈروں نے ان کے ساتھ روایتی پیار و محبت اور سفارت کاری کی مہارت دکھاتے ہوئے تجارتی روابط کی بات چیت شروع کی اور دوسری طرف انہوں نے 26 ہزار فٹ بلند سیاچین گلیشیئر پر قبضہ کرلیا۔ جنرل ضیاء الحق بہرطور ایک محبّ وطن پاکستانی اور فوجی تھے۔ انہوں نے 1983ء میں بھارت کی اس فوجی پیش قدمی کو روکنے کے لئے زبردست اقدامات کئے وہ سیاچن سے بھارتی فوجوں کو واپس تو نہ دھکیل سکے لیکن انہوں نے سیاچن پر جوابی کارروائی کرکے بھارتی فوجوں کو زبردست نقصان پہنچایا اور دنیا کا بلندترین میدان جنگ بھارت سے زور آزمائی کے لئے منتخب کرلیا اور یہاں کا بہت سا علاقہ بھارت سے اس طرح خالی کرالیا کہ بھارت کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ جنرل مرحوم نے اس زمانہ میں امریکہ سے ایف 16 جہاز بھی حاصل کئے جنکی وجہ سے پاکستانی فضائیہ کو بھارتی فضائیہ پر برتری حاصل ہوگئی۔ جنرل ضیاالحق بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کے زمانہ میں اور پھر بعد میں بھی بلاتکلف کسی دعوت نامہ کے بغیر بھارت اور پاکستان کا کرکٹ میچ دیکھنے کے لئے بھارت چلے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ

اس سے بھارتی حکومت بہت زچ ہوتی۔ وہ جب بھی جی چاہتا کوئی پیشگی پروگرام بنائے بغیر بھارت چلے جاتے اور بھارتی حکومت کو مجبوراً انہیں مکمل پروٹوکول دینا پڑتا۔

1986ء میں کشمیر کے محاذ پر مجاہدین کی سرگرمیاں بہت تیز ہوگئیں اور سیاچن پر بھی پاکستانی فوجوں نے بہت بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھارتی فوج کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ انہی دنوں یہ افواہ عالمی خبر رساں اداروں میں بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی کہ بھارت پاکستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس پر جنرل ضیاء الحق بھارت اور پاکستان کا کرکٹ میچ دیکھنے بھارت چلے گئے اور انہوں نے بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی کے ساتھ ہونے والی مختصر ملاقات میں انہیں کہا کہ وہ ایٹمی پٹاخہ جو آپ لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ ہم نے اس سے کہیں زیادہ طاقتور پٹاخہ یورینیم کی افزودگی سے بنالیا ہے۔ چونکہ یورینیم بہت سستا ہے اس لئے ہمارے پاس اس کا کافی سٹاک ہے اگر پاکستان کا انٹرنیشنل بارڈر کسی نے کراس کیا یا پاکستان کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوا تو ہم انشاء اللہ بڑی کامیابی سے اسے مطلوبہ نشانوں تک پھینک سکتے ہیں کیونکہ ہم نے اس کے لئے لانچرز بھی بنالئے ہیں کہتے ہیں کہ بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی اس انکشاف پر حیران رہ گئے۔ انہوں نے دل میں خیال کیا کہ شاید یہ بڈھا فوجی مجھے چکر دے رہا ہے۔ اس نے ایک بھارتی صحافی کلدیپ نیئر کو پاکستان بھیجا۔ کلدیپ کے جنرل ضیاالحق کے علاوہ یہاں کے بہت سے پاکستانیوں سے بہت اچھے مراسم تھے۔ انہوں نے پاکستان میں جنرل ضیا الحق سے ملاقات کی اور پاکستان کے مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر قدیر خان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی جس پر جنرل ضیاالحق نے کلدیپ نئیر کو معروف اخبار نویس سید مشاہد حسین سے ملاقات کرنے کا مشورہ دیا اور مشاہد حسین کلدیپ نئیر کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے ملانے لے گئے۔ کلدیپ نے ڈاکٹر خان سے انٹرویو کیا جس میں ڈاکٹر خان نے بھارتی لیڈروں کو متنبہ کیا کہ پاکستان ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح تیار ہے۔

اگرچہ سید مشاہد حسین کے خلاف بہت شوروغوغا ہوا کہ انھوں نے ایک دشمن ملک کے صحافی کے ساتھ ڈاکٹر خان کی ملاقات کیوں کروائی اور کئی ہفتوں تک مشاہد حسین کو لوگوں کی گالیاں اور الزامات کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد میں یہ انٹرویو بی بی سی اور بھارتی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عام ہوا۔ کئی ماہ کے بعد اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ سید مشاہد حسین نے حکومت کے اشارے پر کلدیپ نئیر سے ملاقات کروائی تھی تاکہ جنرل ضیاالحق جو اشارہ دے کر آئے ہیں یہاں اس کی تصدیق ہوسکے۔ اس کے بعد جنرل ضیاالحق بڑے اطمینان سے حکومت کرتے رہے اور وہ بھارت کے دورے اسی بے تکلفی سے

کرتے رہے جیسا کہ وہ اپنی کسی دوست قلم رو میں جا رہے ہوں۔

جنرل ضیاالحق نے پاکستانی عوام کا ووٹ کا حق اگرچہ اپنی مرضی کے پابند کر رکھا تھا مگر انہوں نے اپنے دور حکومت میں اسلام اور ایمان کے نام زیادہ استعمال کئے عملی کام پر توجہ نہ دی حالانکہ جنرل ضیاالحق چاہتے تو اس عرصہ میں اسلام کا نفاذ بھی ہوسکتا تھا اور پاکستان ساری دنیا میں ایک عظیم اسلامی مملکت کا ماڈل بن جاتا مگر یہ نہ ہوسکا اور افسوس کہ جنرل ضیاالحق کی موت کے بعد پاکستان پھر واپس اسی مقام پر آ گیا جہاں سے یہ چلا تھا۔ جنرل ضیاالحق نے ذوالفقار علی بھٹو سے حکومت لی تھی اور جنرل ضیا کے بعد یہ حکومت دوبارہ بھٹو کی بیٹی کے ہاتھ میں چلی گئی۔

جنرل ضیا کے بعد

جنرل ضیاالحق کے طیارے کا خوفناک حادثہ ہوا جس میں پاک فوج کے 32 اعلیٰ جرنیل جاں بحق ہو گئے۔ یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا اگر دنیا میں کہیں اور ہوا ہوتا تو شاید اس کی تحقیقات کے نتیجہ میں کئی سو افراد کو غفلت اور اپنے فرائض نہ نبھانے کے سلسلہ میں سخت سزائیں ملتیں اور سینکڑوں لوگ اپنی ملازمت سے فارغ کر دیئے جاتے مگر افسوس کہ جنرل ضیاالحق، جنرل اختر عبدالرحمٰن اور دیگر تمیں اعلیٰ فوجی حکام کی موت کو صدر غلام اسحٰق خان، مرزا اسلم لیگ اور جنرل ضیاالحق کے ساتھیوں نے اس طرح برداشت کرلیا گویا وہ لوگ اس موت کے منتظر تھے اور یہ سب کچھ ان کی توقعات کے مطابق ہوگیا اور یہ لوگ بڑے آرام اور طمانیت کے ساتھ عہدوں کی بانٹ کر کے بیٹھ گئے۔ رسمی طور پر جنرل ضیاالحق مرحوم کے طیارہ کو پیش آنے والے حادثہ کی تحقیقات کا شور اٹھا مگر جلد ہی یہ ٹھنڈا ہوگیا۔ پانچ ماہ تک جنرل ضیاالحق مرحوم کے ساتھیوں کی حکومت رہی ان لوگوں نے جنرل کے طیارہ کی تباہی کے بارے میں کوئی مثبت تحقیقات نہیں کیں۔ دسمبر 1988ء میں بےنظیر بھٹو کی حکومت قائم ہوگئی مگر پنجاب میں جنرل مرحوم کے خصوصی شاگرد اور پروردہ سیاست دان میاں نواز شریف کی حکومت تھی۔ جنرل مرحوم کا طیارہ پنجاب کے علاقہ بہاولپور میں تباہ ہوا تھا اور فوجی حکام اپنی تحقیقات جاری رکھتے یا نہ رکھتے پنجاب پولیس کو یہ تحقیقات جاری رکھ کر ملزموں کا پتہ لگانا چاہئے تھا مگر حکومت پنجاب نے اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہ کیا۔

وفاقی حکومت نے بےنظیر بھٹو کی سربراہی میں کام شروع کیا۔ بےنظیر اگرچہ ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی تھی بھٹو بہت بڑے لیڈر، جو انتہائی ذہین اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خالق کی حیثیت سے انہوں نے اپنے آپ کو بہادر بھی ثابت کیا۔ بھٹو کی بہادری اور پاکستان کے لئے خدمت کی وجہ سے ہی عوام نے پی پی پی کو ووٹ دے کر بےنظیر بھٹو کو کامیاب

بنایا تھا مگر افسوس کہ بھٹو کی بیٹی کسی مسلمان ملک کی پہلی خاتون وزیراعظم کی حیثیت سے کوئی قابل ذکر کردار سرانجام نہ دے سکیں۔ غیر سرکاری ذرائع ابلاغ اور معروف پروپیگنڈا کے ذرائع ان کے بارے میں یہی کہتے رہے کہ وہ اوران کے خاوند آصف زرداری دولت اکٹھی کرنے میں مصروف ہیں۔ ان پر کمیشن لینے، سرکاری خزانہ کی لوٹ مار کرنے اور غیر ملکی تجارتی اداروں کے ساتھ لین دین کرتے ہوئے بھاری رقوم وصول کرنے کے الزامات عائد ہوتے رہے۔ ذوالفقار علی بھٹو، پاکستان کے بہت طاقتور وزیراعظم تھے۔ ان کے بارے میں تو ایسی بات کسی نے نہ کی اور نہ ہی ایسا پروپیگنڈا ہوا۔ مگر بے نظیر اور آصف زرداری کے بارے میں ایسی باتیں کیوں ہونا شروع ہوئیں۔ بھٹو اگر اچھا کام کر رہے تھے تو ان کے خلاف ایسا زبردست عوامی احتجاج کیوں ہوا تھا اور اب بھٹو کی بیٹی کے خلاف پاکستان کے درودیوار بھی چیخنا شروع ہو گئے۔ آخر کیوں؟

آیئے ہم دیکھیں کہ بھٹو نے پاکستانی نظام کو چلانے کے لئے جو سوفٹ ویئر استعمال کیا اس میں ''ایرر'' کہاں سے آیا۔ کیا پرابلم پیدا ہوئی۔ آج کمپیوٹر کا دور ہے۔ جب بھی کسی کمپیوٹر میں ''ایرر'' آتا ہے تو ماہر لوگ فوراً اس کی باڈی اور اندرونی مشینری کو چیک کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس میں خرابی کہاں ہے۔

ہم نے اسے چیک کیا، ہمارے پیارے پاکستان کا جو ''سوفٹ ویئر'' ہے وہ یہ تھا کہ ہمیں جو نظریہ اور پروگرام بابائے قوم نے دیا تھا ہم اس ''سوفٹ ویئر'' میں غلط پروگرامنگ کر رہے تھے۔ پاکستان کے کمپیوٹر میں پروگرام صحیح نہیں ڈالا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''پروگرام'' کو قبول نہیں کیا گیا۔ ہمارا تو پروگرام نظریہ پاکستان پر مبنی ہے مگر ہم روسی سوشلزم اور امریکی سرمایہ دارانہ نظام کے پروگرام کو اس میں چلا رہے تھے، ہمارا اپنا پروگرام اور جنل ہے۔ اصل ہے تو پھر نقل پروگرام کیسے کامیاب ہوتا۔ اس لئے ہمارے نظام میں آئے دن خرابی پیدا ہوتی رہی اور آج باون چون برس گزر جانے کے بعد بھی ہمارا کمپیوٹر پروگرام دھکا سٹارٹ ہے۔ جگہ جگہ خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس کے باوجود اگر یہ چل رہا ہے تو یہ ایک کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور بانی پاکستان کی ذات گرامی کا خلوص اور نیک نیتی ہے اور شاید اس میں یہ بھی ایک وجہ ہو کہ پاکستان کے عوام میں ابھی تک تھوڑی بہت ایمان کی روشنی موجود ہے۔ جب یہ ایمان، کی تھوڑی بہت روشنی بھی باقی نہ رہی تو پھر شاید (خدانخواستہ) ہمارا کمپیوٹر ہی ڈیڈ ہو جائے۔

پاکستان میں اہل ایمان، پاکستان اور اسلام سے محبت کرنے والے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اسلام اور

ایمان پاکستان کے نام سے زندہ ہے وگرنہ تمام اسلامی ممالک بھی یہ جانتے ہیں کہ اسلام کا مرکز اور سب سے مقدس مقام تو کہیں اور ہے مگر اسلام کا قلعہ پاکستان ہی ہے۔ روحانی مرکز مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ ہے لیکن دینی تعلیم اور ایمان کی بنیادی تعلیم و تربیت کے لئے سب سے بہتر مقام پاکستان ہی ہے۔ دنیا جہاں سے لوگ اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پاکستان آتے ہیں لیکن اہل پاکستان کے لئے گھر کی مرغی دال برابر ہمارے پاکستانیوں کو اس کا احساس ہی نہیں ہے۔ ہم پھر پاکستانی نظام کی طرف آتے ہیں۔ بھٹو کا سوشلزم اور جنرل ضیاالحق کا ادھورا اسلامی نظام پاکستان کو نہیں چلا سکا۔ بے نظیر بھٹو نے اسے جمہوریت کے نام پر ہر نئے انداز میں چلانے کی کوشش کی۔ امریکی انداز میں عورتوں کی آزادی کا نعرہ لگایا لیکن اسلامی معاشرہ اپنی نامکمل تعلیم کے باوجود غیر اسلامی انداز کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ پاکستان کا نظام حکومت چلانے کے لئے بی بی بے نظیر جو نظام دل و دماغ میں لے کر کام کر رہی تھیں وہ انگلینڈ میں تعلیم اور امریکی تہذیب کے اثرات سے بھرپور تھا۔ عورتوں کی آزادی کا نعرہ بلند کر کے اپنے طور پر سٹارٹ تو بہت اچھا لیا لیکن پاکستانی معاشرہ میں جہاں تعلیم کا تناسب دس بارہ فیصد سے زائد نہیں وہاں امریکہ والی عورت کی آزادی کا نظام فٹ نہیں ہوسکا۔ بی بی بہت ہی شاطر اور تیز دماغ والی خاتون ہیں۔ باپ کی طرف سے ملی ہوئی ذہانت بے پناہ ہے مگر یہ سب کام مثبت انداز میں کرنے کے بجائے منفی انداز میں کرتی رہیں۔

جمہوریت کے نام پر اگر بی بی بے نظیر سے دنیا بھر کے لیڈروں کا مباحثہ ڈیبیٹ کرائی جائے تو شاید یہ خاتون باتوں میں کسی کو بھی آگے نکلنے نہ دے۔ اپنے دور حکومت میں بے نظیر صاحبہ جب جاپان کے سرکاری دورے پر تشریف لائیں تو ترجمان کی حیثیت سے (جنوری 1996ء) مجھے بی بی کو بہت قریب سے دیکھنے، ان کے خیالات سننے اور ان کے جذبات کو سمجھنے کا موقع ملا۔ میں چونکہ پاکستانی ہوں اس لئے ان کی باتوں اور یہاں چیزیں خریدتے ہوئے میں نے انہیں اندر تک دیکھا اور محسوس کیا کہ بے نظیر بھٹو میں کسی عورت کے بجائے مرد کی روح ہے ان کے علاوہ ان کے وزراء کے ساتھ بھی تین دن تک ٹوکیو میں جاپانی ترجمان اور خرید و فروخت کے دوران میں ان کے ساتھ رہا۔ اس طرح میں نے پیپلز پارٹی کی اعلیٰ ترین قیادت کا بہت قریب سے مطالعہ کیا۔ ان تمام لیڈروں کی ذہانت، چالاکی اور پھرتیوں کا یہ کمال دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ بے نظیر کا دور زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا۔ میں نے ان کے طور طریقے اور قومی دولت لٹانے کا انداز دیکھا تو مجھے بہت تکلیف محسوس ہوئی تھی میں نے بی بی بے نظیر اور ان کے معتبر لیڈروں کو کئی مشورے

دیئے۔ جاپان کے لیڈروں کی مثالیں دیں، فلپائن کے جنرل مارکوس اوران کی اہلیہ کی مثالیں دیں لیکن یہ لیڈر لوگ اپنی ایک خودمختار اور علیحدہ ہی سوچ رکھتے ہیں اور اپنی سوچ اور خواہشات کو پورا کرنے کی ایک دیوانگی ان لوگوں میں موجود ہے اور اس سے انہیں ہٹانا کسی فرد واحد کے بس میں نہیں ہے۔ جہاں ان کو ذاتی فائدہ ہو وہاں سے انہیں ہٹانا کسی طور بھی ممکن نہیں۔ بہر حال جیسا کہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا ویسا ہی ہوا بے نظیر بھٹو، پہلے کی طرح نہایت ہی ذلت آمیز طریقے سے اقتدار سے علیحدہ کر دی گئیں اور پنجاب کے صنعتکار اور جنرل ضیاالحق کے پروردہ بیٹے میاں نواز شریف صاحب مسند اقتدار پر آ گئے۔ بی بی بے نظیر کے جانے پر پاکستانی عوام نے بھی شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کی قیادت سے نجات دی اور خصوصاً مذہبی رہنماؤں نے بھی اس پر بہت خوشی کا اظہار کیا کہ خاتون چلی گئی اور میاں نوار شریف آ گئے ہیں اور ان سے عوام اور خواص کو شرافت کی بے پناہ توقعات تھیں۔

میاں نواز شریف، خلافت راشدہ اور شریعت کا نظام لانے کے وعدہ پر اقدار میں آئے تھے، مگر انہوں نے اقتدار میں آتے ہی اسلام اور شریعت کو راستے میں ہی چھوڑ دیا۔ وہ برونائی، مالدیپ، عرب امارات اور اردن کے شاہ حسین کے ساتھ ملاقاتیں کرنا زیادہ پسند کرتے وہ ان حکمرانوں کے ساتھ مل کر سیاسی حالات اور دنیا کی سیاسی تبدیلیوں کو سمجھنے کی بجائے ان حکمرانوں سے طویل شخصی حکمرانی کے راز پوچھنے پر وقت صرف کرتے اور کوشش کرتے کہ یہ حکمران اگر کہیں سرمایہ کاری کر رہے ہیں تو ان کے ساتھ مل کر وہ سرمایہ کاری کریں۔ کارخانے لگائیں۔ فیکٹریاں کھڑی کریں اور پاکستان کے اندر اور باہر یہ مشہور ہو گیا کہ نواز شریف، عرب امارات اور دیگر ممالک کے سربراہوں کے ساتھ مل کر کاروبار کر رہے ہیں، صنعتیں لگا رہے ہیں مگر یہ کاروبار اور صنعتیں پاکستان میں نہیں یورپ، امریکہ، سنگاپور، ملائیشیا، تنزانیہ اور دیگر ممالک میں لگائی جا رہی ہیں۔ انگلینڈ میں دنیا کے بڑے بڑے معروف افراد کے قریب بنگلے اور فلیٹ خریدے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ اخبارات کی خبروں سے یہ باتیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ انگلینڈ میں التوفیق بینک سے کروڑوں پاؤنڈ کا قرضہ لیا اور بعد میں نادہندگی پر مقدمہ ہوا اور بینک کے ساتھ عدالت سے باہر فیصلہ کرنا پڑا۔

بے نظیر بھٹو لندن میں سرے محل کی خریداری کو چھپانے کی کوشش کرتی رہیں مگر وہ آج تک پاکستان سے وہ اڑتالیس بھاری باکس باہر بھیجنے کی صفائی پیش نہیں کر سکیں کہ وہ نوادرات انہوں نے کیوں بھیجے تھے۔ سوئس بینکوں میں کروڑوں ڈالر کہاں سے آئے۔ فرانس میں اربوں ڈالر کی جائیداد کہاں سے آئی۔ نواز شریف صاحب نے رائے ونڈ

محلات کیسے بنائے۔ کیا وہ اس کا حساب دینے کے لئے تیار ہیں؟ یہ عجیب معاملہ ہے۔ جاپان کے کئی وزیراعظم چند لاکھ ڈالر کی ہیرا پھیری کرنے پر برطرف ہوئے۔ انہیں یہ سب سرمایہ واپس کرنا پڑا اور شرم کے مارے وہ جاپان کی سیاست میں کہیں نظر نہیں آتے۔ انہوں نے شرم کے مارے اپنے گھر اور ٹیلی فون نمبر بدل لئے ہیں۔ جاپان کے عوام سے وہ لوگ منہ چھپائے پھرتے ہیں شاید وہ اگر الیکشن لڑنے کی کوشش کریں تو ان کے بیلٹ باکسوں میں کوئی ووٹ نہیں ہوگا مگر ہمارے عزیز وطن پاکستان کے یہ سیاست دان کیسے ہیں کہ یہ سب کچھ ڈکار گئے اور پھر بھی فخر سے سینے تان کر عوام کو کہتے ہیں کہ وہ بے گناہ ہیں، معصوم ہیں۔

نواز شریف صاحب نے شرافت کا نظام اور نظریہ پاکستان کو چھیڑا اور اپنا ایک نظام شریف خاندان بنانے کی کوشش کی۔ اگر ان کے اس نظریہ سے پاکستان کے قیام اور بانی پاکستان کے پہلے اصول ''ایمان'' کی بنیادیں نہ ہل جاتیں تو شاید اتنی خرابی نہ ہوتی۔ پاکستانی بینکوں میں اتنا سرمایہ تو باقی رہنے دیتے کہ یہ بینک اپنا معمول کا کاروبار کرتے رہتے مگر جیسا کہ پاکستانی اور عالمی اخبارات میں الزامات لگائے جارہے ہیں کہ انہوں نے وہ کچھ کیا جو کہ پہلے والی حکومتوں اور حکمرانوں کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا۔ انہوں نے ''ایمان'' کی بنیادیں ہلائی ہی نہیں انہیں اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی۔ ان حالات میں کہ انہوں نے پاکستان کے قانون ساز اداروں، عدلیہ اور انتظامیہ تک کو اپنے رنگ میں اس طرح رنگ دیا کہ عوام کا اعتبار و اعتماد ان اداروں پر اٹھ گیا۔ دنیا کے اخبارات میں پاکستانی عدلیہ کے بارے میں ایسی ایسی کہانیاں شائع ہونے لگیں کہ پاکستان پر ہر طرف سے انگلیاں اٹھنے لگیں۔ پاکستان کے چودہ کروڑ عوام غربت اور مفلسی کے عذاب میں گرفتار، بے روزگاری ان کا مقدر، کارخانے بند، مگر غیر ملکی، بند اور چکن فروخت کرنے والے اداروں کے باہر امیر زادوں اور سرمایہ دار گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں کا ہجوم، غریب عوام کا اس سے زیادہ مذاق کون اڑا سکتا ہے۔ یہ سب بے نظیر اور نواز شریف کے دور میں ہوا ان حالات میں نواز شریف صاحب نے کوشش کی کہ وہ بھارت کے ساتھ دوستی کریں۔ پاکستان میں پاکستانی شوگر ملوں کی بنائی ہوئی شوگر بیس اور بائیس روپے کلو فروخت ہو رہی تھی کہ نواز شریف صاحب نے بھارت کے ساتھ شوگر کی تجارت شروع کردی اور بھارت کو چھ روپے کلو چینی فروخت کرنے کا معاہدہ کر کے خود ہی یہ حکم جاری کیا کہ حکومت پاکستان چھ روپے کلو سب سڈی نواز شریف صاحب کے اداروں کو ادا کرے گی۔ پاکستان کے عوام ان سے دریافت کرتے رہے کہ بھارت ایک دشمن ملک ہے آپ بھارت کو چینی کیوں فروخت کر رہے ہیں اور پھر حکومت پاکستان

سے اس کے عوض سب سڈی کیوں وصول کر رہے ہیں۔ ان میں سے کسی سوال کا جواب انہوں نے دینا پسند نہیں کیا۔ پاکستان میں لوگ اپنے ہی ملک کی چینی بیس بائیس روپے کلو کھاتے رہے اور بھارت میں لوگ پاکستانی چینی آٹھ دس روپے کلو خرید کر کھاتے رہے اور بھارتی تاجروں نے پاکستانی چینی عرب امارات کو زیادہ قیمت پر ایکسپورٹ کرنا شروع کر دی جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ یہ سب حالات دیکھ کر پاکستان کا ہر محبت وطن انسان خون کے آنسو رو رہا تھا، کیونکہ پاکستان کے ہر شہری کو امید تھی کہ میاں نواز شریف صاحب پاکستان کے معاشی حالات کو درست کر دیں گے یہاں کے بند کارخانوں کو چلانے کی منصوبہ بندی کریں گے۔ ملک میں گندم، چاول، کپاس اور گنا کی پیداوار کے ساتھ ساتھ تیلوں والے بیج بھی بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ پاکستان کو یہ چیزیں باہر سے منگوانا نہ پڑیں گی بلکہ ہم لوگ کپاس اور چاول کی ایکسپورٹ سے اتنا زرمبادلہ کمائیں گے کہ آہستہ آہستہ سارے قرضے بھی اتر جائیں گے اور ہم خوشحال پاکستان کے خواب کی تعبیر دیکھیں گے۔ پاکستان کے عوام کو کہا گیا کہ میاں نواز شریف قائداعظمؒ ثانی ہیں تو سب نے کہا کہ ہم انہیں قائداعظمؒ ثانی تسلیم کر لیتے ہیں مگر وہ کوئی کام تو کر کے دکھائیں۔ مگر میاں نواز شریف نے اقتدار میں آنے کے فوراً بعد اپنے بھائی میاں شہباز شریف کو صوبہ پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنا دیا۔ وفاقی حکومت میں بڑا بھائی، پاکستان کے سب سے بڑے صوبہ میں چھوٹا بھائی، پورے پاکستان پر پنجاب کی بیوروکریسی اور سیاستدان دندنا رہے تھے۔ بلوچستان کے لوگ چیخ رہے تھے کہ وفاق میں ہماری نمائندگی کہاں ہے؟ مگر میاں نواز شریف ملک و قوم کے لئے کچھ کرنے کی بجائے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سید سجاد علی شاہ کے خلاف ہو گئے۔

عدلیہ پاکستان کا ایک ایسا ادارہ ہے کو آزاد اور غیر جانبدار رکھنے کے لئے ہر حکومت نے کوشش کی ہے۔ ایوب خان جیسے آمر مطلق نے بھی عدلیہ کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، کیونکہ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے کہا ہے کہ جس ملک میں انصاف نہ ہو وہاں رہنا مشکل ہے اور دوسری جنگ عظیم کے دوران جب لندن شہر میں جرمن بمباری کر رہے تھے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم سرونسٹن چرچل سے کسی نے پوچھا کہ کیا ان نازک حالات میں انگلینڈ باقی رہے گا؟ اس پر چرچل نے کہا: ''کہ کیا انگلینڈ میں عدالتیں کام کر رہی ہیں۔ کیا عوام کو ان نازک اور مخدوش حالات میں بھی انصاف مل رہا ہے؟ پوچھنے والے نے جواب دیا کہ بالکل لوگوں کو انصاف مل رہا ہے، اس پر چرچل نے کہا اگر عوام کو انصاف مل رہا ہے تو پھر ہمارے ملک کو کوئی خطرہ نہیں۔

ایک آزاد اور خودمختار ملک میں انصاف کے اداروں کی یہ اہمیت ہے مگر بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف صاحب کے ادوار حکومت میں عدلیہ کا مذاق اڑایا گیا۔ ان اداروں میں سفارشی اور نااہل افراد کو بھرتی کیا گیا اور ان اداروں میں رشوت اور اخلاقی کمزوریوں کا بے حد پروپیگنڈا کیا گیا۔ یہاں تک کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے خلاف باقی ججوں کو کارروائی کرنے کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ ساری دنیا پاکستان پر ہنس رہی تھی کہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے جج اپنے ہی چیف جسٹس کے خلاف عدالتی کارروائیاں کر رہے تھے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ سپریم کورٹ پر سیاسی جماعت کے کارکنوں کے ذریعہ حملہ کرا دیا گیا اور سپریم کورٹ کے ججوں نے بھاگ کر اپنے چیمبرز میں گھس کر جان بچائی۔ ایسے حالات میں چیف جسٹس کی مدد کے لئے ریاست کا کوئی ادارہ بھی آگے نہ بڑھا تو چیف جسٹس مستعفی ہو گئے۔ قومی اسمبلی کے اجلاس میں چند منٹوں میں ایسی ترامیم کی گئیں کہ صدر، چیف جسٹس اور ملک کے دیگر معاملات کے متعلق تمام اختیارات صرف وزیراعظم کو دے دیئے گئے۔ آئین میں وزیراعظم اور ریاست کے دیگر اداروں کے درمیان اختیارات کا توازن بالکل ختم کر دیا گیا۔ وزیراعظم پاکستان کے پاس ہر قسم کے اختیارات جمع ہو گئے۔ ان کی اجازت کے بغیر ملک بھر میں کوئی تقرری نہیں ہو سکتی۔ پاکستان میں غریب عوام بے روزگاری پر احتجاج کر رہے تھے۔ کسی پڑھے لکھے نوجوان کو چپڑاسی تک کی نوکری نہیں مل سکتی جبکہ وزیراعظم، وفاقی وزراء، صوبائی وزراء اور پارلیمینٹ کے ارکان کے رشتہ داروں کو پانچ لاکھ، بیس لاکھ ماہانہ کی نوکریاں دی جانے لگی۔ اعلیٰ عہدہ داروں کے رشتہ داروں، بیٹوں اور عزیزوں کو پولیس، کسٹمز، وزارت خارجہ اور دیگر بینکوں میں براہ راست نوکر رکھا جاتا اور اخبارات میں اس کی خبریں شائع ہوتیں۔

محکمہ تعلیم ......ایک ایسا ادارہ ہے جس میں بے شمار آسامیاں خالی پڑی ہیں مگر حکمران نجی تعلیمی اداروں سے رشوت وصول کر کے انہیں اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور بھاری فیسیں وصول کرنے کی اجازت دیتے رہے تاکہ حکومت کے تعلیمی اداروں میں پروفیسر اور پڑھانے والے نہ ہوں گے تو لوگ مجبوراً نجی تعلیمی اداروں کی طرف رجوع کریں گے۔

ریلوے کے محکمہ کی کارکردگی صرف اس لئے گرا دی گئی کہ پرائیویٹ ٹرانسپورٹر اعلیٰ حکام کو رشوت دے کر اپنے اپنے پسندیدہ روٹوں پر اپنی بسیں چلا رہے ہیں اور حکومت کو کہہ کر ان روٹوں پر ریلوے سروس کو بند کرا رہے ہیں۔ حکومت کسی ملک میں کسی خطہ میں کبھی ایسی بدنام اور بے اثر نہ ہوتی ہوگی جیسا کہ پاکستان میں ہوئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری

قوم بے چینی اور مایوسی کے ایک گہرے خوف میں مبتلا ہوگئی۔اس دوران ملک بھر میں ڈاکہ زنی، چوری، راہ زنی اور قتل و غارت گری کی وارداتوں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔12 اکتوبر سے پہلے صرف دو ماہ میں مذہبی دہشت گردوں نے تقریباً 36 افراد کو دن دہاڑے برسرِ عام قتل کر دیا اور پورے ملک میں پولیس کیس ڈاکو، کسی راہزن یا مذہبی دہشت گرد کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

ایسے افسوسناک حالات میں پوری قوم، ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین، حتیٰ کہ حکمران جماعت کے کئی ارکان پارلیمینٹ، فوج سے کھلے عام اپیلیں کر رہے تھے کہ اس بدعنوان اور بے اثر حکومت کو ختم کیا جائے۔ پاکستان کے عوام کو عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہنے کا حق دیا جائے۔اس عرصہ میں افواہ اڑی کہ افواج پاکستان کے سربراہ اور جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین کو برطرف کیا جارہا ہے مگر اکتوبر کے پہلے ہفتے میں وزیراعظم نواز شریف نے اعلان کیا کہ آرمی چیف اپنے مقررہ وقت پر ریٹائر ہوں گے اور انہیں جائنٹ چیفس کی سٹاف کمیٹی کا مستقل چیئرمین مقرر کر دیا گیا ہے۔اس کے بعد آرمی چیف کو سری لنکا ایک ضروری سارک فوجی کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ 12 اکتوبر کو آرمی چیف کے واپس پاکستان پہنچنے سے قبل پاکستانی ٹیلی ویژن پر ایک خصوصی نیوز بلیٹن میں صرف ایک خبر دکھائی گئی کہ وزیراعظم نے آرمی چیف کو برطرف کر دیا ہے اور نئے آرمی چیف کا تقرر کر دیا گیا ہے۔اس اچانک خبر نے پورے ملک میں کھلبلی مچادی کیونکہ اس سے قبل وزیراعظم نواز شریف

1۔ چیف جسٹس آف پاکستان سید سجاد علی شاہ

2۔ صدر پاکستان سردار فاروق احمد خان لغاری

3۔ آرمی چیف جنرل جہانگیر کرامت کو بھی برطرف کر چکے تھے اور اس حوالے سے ان کے بارے میں کہا جارہا تھا کہ وہ پاکستان کے مرد آہن بن چکے ہیں۔آرمی چیف جنرل پرویز مشرف ابھی طیارہ میں فضاء ہی میں تھے کہ وزیراعظم کے اس فیصلہ کے خلاف آرمی کے اعلیٰ حکام نے ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ٹیلی ویژن، وزیراعظم ہاؤس، ایوان صدر اور دیگر اہم مقامات پر قبضہ کرلیا۔کہا جاتا ہے کراچی ایئرپورٹ جہاں پی آئی اے کی اس کمرشل پرواز کا طیارہ جو سری لنکا سے کراچی آرہا تھا اور اس میں آرمی چیف اپنے سٹاف کے ساتھ عام مسافروں کی طرح سفر کرتے ہوئے آرہے تھے اس طیارہ کو کراچی ایئرپورٹ پر لینڈ کرنا تھا مگر جیسا کہ آرمی کے ذرائع نے بعد میں بتایا کہ کراچی ایئرپورٹ پر رکاوٹیں